



فدائیانِ ختم نبوت کی توجہ کے لیے

مفتی منیب الرحمن

الحمد للہ! قانونی ترمیم کے ذریعے پارلیمنٹ کے امیدواروں کی رکنیت فارم کے ساتھ لازمی ڈیکلریشن میں اقرار ختم نبوت کی شق کے شروع میں ”حلفیہ اقرار کرتا ہوں“ کے الفاظ دوبارہ شامل کر دیے گئے ہیں اور قانون سازی کی حد تک اس دانستہ فعل یا غفلت مجرمانہ کا ازالہ ہو چکا ہے۔ اب یہ ترمیم ”ایکشن ریفرنڈم ایکٹ“ کا حصہ بن چکی ہے، جن دینی و سیاسی جماعتوں، تنظیموں اور افراد نے اس پر خالصہ رضائے الہی، سید المرسلین ﷺ کی محبت اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے ہر سطح پر احتجاج کیا، وہ یقیناً عند اللہ ماجور ہوں گے اور اپنے آقا خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں سرخرو ہوں گے۔ مسلم لیگ ن کی سطح پر جناب راجا ظفر الحق کی سربراہی میں قائم کمیٹی کی تحقیقات کا شدت سے انتظار رہے گا تا کہ معلوم ہو سکے کہ اس مجرمانہ فعل کا ذمہ دار کون ہے اور اُسے کیا سزا دی گئی۔ اس وقت حکومت وقت معتبور بلکہ مغضوب ہے، اپوزیشن اگرچہ باہم منقسم ہے، لیکن سب حکمران جماعت مسلم لیگ ن اور اس کی قیادت پر چاند ماری کر کے ثواب کمانے میں ایک دوسرے پر سبقت لینے میں مصروف ہیں۔ اس شور و غوغا میں پوری صورت حال کا صحیح ادراک نہیں کیا جا رہا، چنانچہ مجھے انگلینڈ سے مولانا نصیر اللہ نقشبندی نے فون کیا کہ علماء و مشائخ اہلسنت کی خواہش ہے کہ آپ اس مسئلے کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کریں۔

یہاں یہ بھی ریکارڈ پر لانا ضروری ہے کہ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں جو پرزور احتجاج ہوا، وہ ختم نبوت کے اقرار نامے میں ”حلف“ کے حذف کرنے پر نہیں تھا، بلکہ وہ صرف اُس دفعہ کے حذف کرنے پر تھا جس کے تحت قومی اسمبلی کی رکنیت کے لیے نااہل قرار دیا ہوا شخص کسی سیاسی جماعت کا سربراہ نہیں بن سکتا، کیونکہ اس کا براہ راست فوری فائدہ نواز شریف صاحب کو پہنچانا مقصود تھا۔ صرف اِس دفعہ کو خلاف دستور قرار دینے کی بابت کئی افراد نے سپریم کورٹ آف پاکستان میں پیشکش دائر کی ہیں، سب کو سپریم کورٹ کے فیصلے کا انتظار ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ کسی مسئلے کا قانونی جواز ہر صورت میں اخلاقی معیار پر بھی پورا اترے۔ اس کی واضح مثال نیب کا پٹی بار گین یعنی ”استدعا برائے ٹک مکا“ کا قانون ہے، جو تاحال نہ صرف ہمارے ملک کا باقاعدہ قانون ہے، بلکہ دنیا کے کئی ممالک میں اس طرح کے قوانین رائج ہیں۔ اس کا جواز یہ بتایا جاتا ہے کہ عدالتی معیار پر جرم کے ثبوت دستیاب نہ ہونے کے سبب اکثر صورتوں میں ملزم بری جاتے ہیں، لہذا کچھ بھی برآمد نہ ہونے کی بجائے دباؤ ڈال کر کچھ نہ کچھ برآمد کر لینا ہی بہتر ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس میں کرپشن کا خفیہ سوراخ بھی ممکنہ طور پر موجود ہے۔

ہمارے ہاں جذباتی فضا میں پورا سچ بیان کرنا دشوار ہوتا ہے، یہ ”آئیل مجھے مار“ کے مترادف ہے۔ لیکن اب مناسب وقت ہے کہ سیاسی یا غیر سیاسی میدان میں مذہبی تنظیمیں چلانے والے حضرات اس مسئلے کے تمام پہلوؤں پر توجہ دیں اور آئندہ جب بھی کسی

دینی مسئلے پر احتجاج کی نوبت آئے تو سب ذمے داران سے مسئولیت ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اصل ذمے داری حکومت وقت اور حکمران جماعت کی ہوتی ہے، لیکن دوسرے ارکان پارلیمنٹ بھی بری الذمہ قرار نہیں دیے جاسکتے۔

پارلیمنٹ کی الیکشن ریفرنڈم کمیشن کافی عرصے سے جامع انتخابی اصلاحات پر کام کر رہی تھی، اس کے ذمے انتخابات کے متفرق قوانین کو جامع انداز میں یکجا کر کے ان میں مزید اصلاحات کرنا شامل تھا۔ ہماری پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے ارکان کی مجموعی تعداد 446 ہے، قومی اسمبلی کے ارکان کی کل تعداد 342 اور سینیٹ کی 104 ہے۔ ہمارے ہاں قانون سازی کا طریقہ کار یہ ہے کہ ڈرافٹ بل یعنی مسودہ قانون وفاقی وزیر قانون یا کوئی بھی مجاز وزیر اسمبلی میں پیش کرتا ہے، پہلے اس پر عمومی بحث ہوتی ہے، پھر دوسری اور تیسری خواندگی ہوتی ہے۔ الغرض قومی اسمبلی کے اسپیکر اور چیئر مین سینیٹ مسودہ قانون کا ایک ایک لفظ، ایک ایک جملہ پڑھوا کر ایوان میں سناتے ہیں اور ایوان سے بل کی شق وار منظوری لیتے ہیں اور پھر صدر مملکت کے دستخط ہونے کے بعد وہ ایکٹ یعنی ملک کا قانون بن جاتا ہے۔

جس مسئلے پر نزاع پیدا ہوا، وہ ایمان و کفر کا مسئلہ نہیں تھا، کیونکہ اقرار ختم نبوت کی عبارت ڈیکلریشن فارم میں موجود تھی اور اسلامی عقائد کی کسی کتاب میں یہ درج نہیں ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم حلف اٹھائے بغیر کلمہ اسلام پڑھے تو وہ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا یا کسی مسلمان کا حلف کے بغیر ختم نبوت کا اقرار کرنے سے اس کا عقیدہ مشتبہ قرار پائے گا۔ پس علمائے ربانین کی ذمے داری ہے کہ اذلہ شرعیہ کی روشنی میں جس بات پر جتنا شرعی حکم مرتب ہوتا ہو، وہ لگایا جائے، خواہ وہ حکم تفسیق و تہلیل کا ہو یا پھر انتہائی درجے میں کفر و ارتداد کا۔ درپیش صورت حال میں یہ جرم سرزد ہوا کہ ”حلفیہ اقرار کرتا ہوں“ کے الفاظ حذف کر دیے گئے اور اسی طرح Solemnly کا لفظ بھی حذف کر دیا گیا تھا، جس کے معنی ہیں: ”صدق دل سے“، باقی مجز و اقرار نامہ بدستور موجود تھا۔ میں نے ایک ماہر قانون سے پوچھا کہ عام حالات میں حلف کے بغیر بھی اقرار ختم نبوت معتبر ہے، یہاں ”حلفیہ اقرار“ کے الفاظ حذف کرنے سے کیا قانونی اثر مرتب ہوگا؟ انہوں نے جواب دیا: ”اگر ایک شخص نے ختم نبوت کا حلفیہ اقرار کیا ہے اور بعد میں ناقابل تردید شواہد سے یہ ثابت ہو جائے کہ وہ قادیانی ہے، تو جھوٹا حلف نامہ داخل کرنے پر اسے پارلیمنٹ کی رکنیت سے نا اہل قرار دیا جاسکتا ہے“، سو قانونی نتائج کے اعتبار سے ”حلفیہ اقرار“ کی بڑی اہمیت ہے۔

دیانتہ اور قضاء یعنی قانون کی نظر میں پارلیمنٹ کی ”انتخابی اصلاحاتی کمیٹی“ اور پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے 446 ممبران جوابدہ ہیں، یہ درست ہے کہ ہم ستر یا اسی فیصد ذمے داری حکومت وقت اور حکمران اتحاد پر ڈالیں گے لیکن بیس یا تیس فیصد ذمے داری سے پارلیمنٹ کا ایک بھی ممبر بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ اس میں مذہبی سیاسی پس منظر رکھنے والے اور مذہبی جماعتوں کے ارکان کی ذمے داری دوسروں سے بدرجہا زائد ہے۔ لیکن حیرت کا مقام ہے کہ سب ارکان جوابدہ بنے اور اپنی پوزیشن واضح کرنے کی بجائے حکومت پر حملہ آور ہو کر بری الذمہ، بلکہ آج کل کے محاورے کے مطابق ”پوٹو“ ہو جاتے ہیں اور ہمارے سادہ لوح مذہبی لوگ مطمئن ہو جاتے ہیں، یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص چوری کرے اور پھر چوری کے خلاف احتجاج کرنے والوں کے مجمع میں شامل ہو کر پرزور

نعرے لگانا شروع کر دے۔

میں نے یہ آرٹیکل لکھنے سے پہلے جماعتِ اسلامی کے ذمے داران سے پوچھا کہ آپ بحیثیت جماعت اپنی پوزیشن واضح کریں کہ آپ نے یہ شق منظور ہونے، الیکشن ریفرنڈم کمیٹی کے مسودے کی تیاری اور پھر قومی اسمبلی اور پارلیمنٹ میں اس کی منظوری کے موقع پر ہڑ زور احتجاج کرتے ہوئے رائے شماری کا مطالبہ کیوں نہیں کیا تاکہ قوم کے سامنے یہ حقیقت کھل کر آتی کہ ان الفاظ کو حذف کرنے میں عملی، ذہنی اور فکری اعتبار سے کون کون سے ارکان پارلیمنٹ شامل ہیں۔ اس پر جماعتِ اسلامی کے قانونی شعبے کے جناب سیف اللہ گوندل نے مجھ سے جماعت کی پوزیشن واضح کرنے کے لیے رابطہ کیا۔ انہوں نے بتایا کہ ہمارے ممبران نے اس پر آواز اٹھائی تھی اور جناب سراج الحق اپنی جماعت کی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کے باعث سینیٹ میں خود شریک نہ ہو سکے اور انہوں نے جے یو آئی کے سینیٹر حافظ حمد اللہ کے ذمے لگایا کہ آپ اس مسئلے کو سینیٹ میں اٹھائیں۔ گوندل صاحب کے بقول انہوں نے یہ مسئلہ اٹھایا تو 13 ارکان نے ان کی حمایت کی اور سینیٹر اعجاز احسن سمیت 34 ارکان نے اس کی مخالفت کی۔ میں نے گوندل صاحب سے کہا کہ ازراہ کرم سینیٹ کی کارروائی کی نقل مجھے ارسال فرمادیں، انہوں نے کہا: سینیٹ کے ریکارڈ کی کاپی ہمیں سر دست دستیاب نہیں ہے، تاہم انہوں نے اپنا پریس ریلیز اور سیکرٹری سینیٹ آف پاکستان کے نام سینیٹر حافظ حمد اللہ صاحب کے خط کی کاپی ارسال کی۔ اسی طرح سے صاحبزادہ طارق اللہ، صاحبزادہ محمد یعقوب، شیر اکبر خان اور محترمہ عائشہ سید کے مشترکہ ناموں سے بھی مختلف شقوں اور دفعات کے حوالے سے قومی اسمبلی سیکرٹریٹ میں جمع کردہ ایک خط کی کاپی مجھے ارسال کی۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ تجاویز دفتر ہی میں رد کردی گئیں یا اسمبلی کے فلور پر پیش ہوئیں اور کثرت رائے سے رد کردی گئیں، اس کی بابت تاحال مجھے ریکارڈ دستیاب نہیں ہوسکا۔ میری رائے میں جناب سراج الحق پر لازم تھا کہ اپنی مجلس شوریٰ کے اجلاس کو ایک دن کے لیے مؤخر کر دیتے اور اس حساس مسئلے پر بذات خود اجلاس میں شریک ہوتے اور ہڑ زور احتجاج کرتے تاکہ جماعتی وابستگی سے قطع نظر تمام مخالفین بے نقاب ہوتے۔

بعد میں مولانا فضل الرحمن نے قومی اسمبلی میں فانا کے صوبہ خیبر پختونخوا میں انضمام وادغام کے مسئلے پر گفتگو کرنے کے علاوہ ختم نبوت کے اقرار نامے میں ”حلفیہ اقرار کرتا ہوں“ کے الفاظ حذف ہونے پر بھی گفتگو کی، اس غفلتِ مجرمانہ کے ازالے پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے یہ اعتراف بھی کیا: ”اس غفلت کی ذمہ داری ہم سب پر عائد ہوتی ہے“، میں جہاں اس غفلتِ مجرمانہ کی مذمت کرتا ہوں، وہاں مولانا کے اعتراف پر ان کی تحسین بھی کرتا ہوں، کسی اور ممبر نے اس طرح واضح طور پر اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کیا۔ اب دیانت دارانہ اور جامع تحقیق کے بعد ہی نتیجہ سامنے آسکتا ہے کہ آیا یہ سب کچھ دانستہ اور کسی داخلی یا خارجی قوت کے ایما پر ہوا ہے یا محض بشری فروگزاشت ہے۔ مذہبی طبقات سمیت کسی بھی فرد سے بشری فروگزاشت کے امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا، لیکن 446 ارکان پر مشتمل ارکان پارلیمنٹ سے اس طرح کی غفلتِ مجرمانہ کا صدور پوری قوم کے لیے الارمنگ ہے کہ ہمارے منتخب نمائندے اپنے اہم فرائض کے بارے میں کس قدر غیر سنجیدہ اور غافل رہتے ہیں۔ اس مضمون کا بقیہ حصہ اگلے کالم میں ملاحظہ فرمائیں۔

(روزنامہ دنیا، 14 اکتوبر 2017ء)



فدائیانِ ختمِ نبوت کی توجہ کے لیے

(دوسرا حصہ)

مفتی منیب الرحمن

ایک باخبر شخص نے بتایا کہ مختلف مراحل پر جب ارکانِ پارلیمنٹ کو ”میں حلفیہ اقرار کرتا ہوں“ کے الفاظ کے حذف کیے جانے پر متوجہ کیا گیا، تو سب نے کہا: ”یار جانے دو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا“۔ لیکن ہماری شرعی ذمہ داری ہے کہ ہم شواہد کے بغیر کسی پر تعین کے ساتھ الزام نہیں لگا سکتے۔

ختمِ نبوت کے مسئلے پر قومی اسمبلی میں سب سے پہلے شیخ رشید صاحب نے آواز اٹھائی ہے، لیکن یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ انہوں نے بھی قانون کی منظوری کے مرحلے میں کوئی آواز بلند نہیں کی۔ اگر جناب شیخ نے اُس وقت اس لیے جان بوجھ کر آواز نہیں اٹھائی تا کہ مناسب وقت پر اسے حکومت پر دباؤ ڈالنے اور بلیک میلنگ کے لیے استعمال کیا جائے، اللہ کرے کہ ایسا نہ ہو، لیکن اگر ایسا ہے تو اس پر اُن کے لیے آخرت میں کوئی اجر نہیں ہے، کیونکہ یہ ”كَلِمَةُ الْحَقِّ اُرِيدَ بِهَا الْبَاطِلُ“ کے مصداق ہوگا۔ قانون کی منظوری کے وقت اس غفلتِ مجرمانہ میں دوسرے ارکانِ پارلیمنٹ کے ساتھ وہ بھی شامل ہیں، تاہم بعد میں اگر علم میں آنے کے بعد انہوں نے فوراً آواز اٹھائی ہے تو وہ یقیناً عند اللہ ماجور ہوں گے، ہم کسی کی نیّتوں کا فیصلہ کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ قانون سازی تو اتنا سنجیدہ کام ہے کہ اگر پارلیمنٹ میں پاس کیے گئے کسی قانون میں ایک فل اسٹاپ یا کامایا کسی لفظ کا اسپیلنگ بھی غلط درج ہو گیا ہے، تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ اسمبلی یا سینیٹ سیکرٹریٹ یا وزارت قانون کا کوئی افسر اپنے قلم سے اس کی اصلاح کر لے، بلکہ ایسی کسی بھی غلطی کی اصلاح کے لیے باقاعدہ قانون سازی کے طریقہ کار کے مطابق دونوں ایوانوں سے اُس کی منظوری لینی ہوتی ہے۔

پس ہماری پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں نمائندگی رکھنے والی تمام سیاسی جماعتوں کا کوئی بھی رکن اس غفلتِ مجرمانہ کی مسؤلیت سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ جناب سیف اللہ گوندل کی فراہم کردہ اطلاع اگر درست ہے، تو اس مسؤلیت سے صرف وہ چند افراد مستثنیٰ ہیں، جن کا میں نے گزشتہ کالم میں ذکر کیا ہے۔ لیکن نیرنگی سیاستِ دوراں تو دیکھیے کہ جنہیں اصل میں جوابدہ ہونا چاہیے، وہ مدّعی بن کر سامنے آگئے ہیں اور سادہ لوح مسلمانوں سے داد وصول کر رہے ہیں۔ حالانکہ ان سب کو اللہ تعالیٰ، خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور مسلمانانِ پاکستان سے صدق دل سے معافی مانگنی چاہیے اور اپنی اس مجرمانہ غفلت پر توبہ کرنی چاہیے۔ اگر کسی کا دعویٰ ہے کہ اس نے اس

قانون کی منظوری کے وقت ”حلفیہ اقرار ختم نبوت“ سے متعلق کوئی ترمیم پیش کی تھی جسے رد کر دیا گیا تھا، تو اسمبلی اور سینیٹ کے ریکارڈ سے ہمیں اس کا ثبوت فراہم کریں، ہم دل و جان سے ان کی تحسین کریں گے کہ کم از کم انہوں نے ذاتی حیثیت میں اپنا فرض ادا کیا۔

اہلسنت وجماعت کی بعض جماعتیں پہلے سے سیاسی میدانِ عمل میں ہیں، تحریکِ لبیک پاکستان حال ہی میں سیاسی اور انتخابی میدان میں اتری ہے اور اس نے اپنا سیاسی وجود مؤثر انداز میں ثابت کیا ہے۔ ہمارا آزاد میڈیا جواز خود تمام طبقات کے لیے مصلح، نقاد اور محاسب بن بیٹھا ہے، وہ خود بھی اپنی عصیتوں کا اسیر ہے۔ 17 ستمبر 2017 کو قومی اسمبلی کے حلقہ 120 کا ضمنی انتخاب ہوا۔ اس انتخاب میں الیکشن کمیشن آف پاکستان میں رجسٹرڈ نئی جماعت ”تحریکِ لبیک پاکستان“ نے حصہ لیا اور تیسری پوزیشن حاصل کی، مگر ٹیلی ویژن چینل نے اگلی صبح تک اس جماعت کا بلیک آؤٹ کیے رکھا، جبکہ اس کے برعکس جماعتِ الدعوة کے نئے سیاسی جنم ”ملی مسلم لیگ پاکستان“ کے امیدوار یعقوب شیخ صاحب کی تیسری پوزیشن دکھاتے رہے اور حقیقی تیسری پوزیشن کے حامل شیخ اظہر حسین صاحب شاید میڈیا کی نظروں میں ناپسندیدہ فرد قرار پائے۔ جس طرح دیہاتی عورت شوہر کا نام لیتے ہوئے شرماتی ہے، ہمارے میڈیا نے نہایت ڈھٹائی کے ساتھ یہی کام کیا۔ بعد میں ایک دو چینلز پر سرسری تذکرہ ہوا، کیا مرکزی دھارے میں شامل کرنے کے نعرے محض فریب و سراب ہیں۔

اہلسنت کی سیاسی جماعتوں سے ہماری گزارش ہے کہ اپنے متوقع امیدواروں کے لیے ملک کے آئینی و قانونی نظام اور قانون سازی کے طریقہ کار کے بارے میں آگہی کے لیے پروگرام ترتیب دیں۔ سر دست تو حکومتِ وقت آپ کے نشانے پر ہے، لیکن 2018 کے انتخابات میں تمام جماعتیں آپ کے مقابل کھڑی ہوں گی اور آپ کو ان سب کے مقابلے میں اپنے آپ کو ووٹ کا بہترین حقدار ثابت کرنا ہوگا۔ اس وقت گمراہ حکومت ہوگی اور وہ انتخاب میں شریک نہیں ہوگی کہ آپ صرف اُسے ہدف بنا کر اپنی انتخابی مہم کو کامیابی سے ہمکنار کر سکیں۔ تازہ المیہ قادیانیوں کے بارے پنجاب کے وزیرِ قانون رانا ثناء اللہ کا سماء چینل پر انٹرویو ہے، اگرچہ یہ مسلم لیگ ن کا سرکاری موقف قرار نہیں دیا گیا، تاہم اُن کے مندرجہ ذیل ریمارکس انتہائی حد تک قابلِ اعتراض ہیں:

”اگر اس بحث کو ندیم ملک صاحب! ہم اور زیادہ ڈشیل میں جا کر کریں گے، تو اُن کے متعلق جو ہمارے علمائے کرام ہیں، آپ کہتے ہیں نان مسلم، وہ ان کو نان مسلم تسلیم نہیں کرتے“۔ اپنے موقف کی تائید میں وہ مزید کہتے ہیں: ”آپ ڈشیل میں دیکھیں تو یہ بالکل وہ تمام عقائد یعنی ہماری نماز ہے، روزہ ہے، تو یہ اُن سب چیزوں کے اوپر عمل بھی کرتے ہیں، یہ اپنی مساجد بھی بناتے ہیں، اُن میں اذان بھی دیتے ہیں، بس آکر اس پوائنٹ کے اوپر یہ اختلاف کرتے ہیں، تو اس لیے اُن کے متعلق جو جذبات ہیں یا فتوے ہیں، وہ بالکل Otherwise ہیں“۔ یہ بیان کسی بھی صورت میں قابلِ قبول نہیں ہے اور نہ ان کی یہ تاویل درست ہے کہ میرے بیان کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا۔ انہیں اپنی غلطی تسلیم کر کے غیر مشروط طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم خاتم النبیین ﷺ کے حضور صدقِ دل سے توبہ کرنی چاہیے اور مسلمانانِ پاکستان سے معافی مانگنی چاہیے، گول مول وضاحتیں بیکار ہیں، بلکہ ”عذر گناہ بدتر از گناہ“ کی مصداق ہیں اور ان ریک تاولات سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ سیاسی جماعتوں کو ہمارا مشورہ ہے کہ وہ مذہبی امور پر اپنا پالیسی اسٹینٹمنٹ دینے کے لیے کسی ذمے دار مذہبی شخصیت کا تقرر کیا کریں جسے زبان و بیان پر عبور ہو اور مذہبی حساسیت اور زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کے رد عمل کا کما حقہ احساس ہو، مسلم لیگ ن میں جناب پیر امین الحسنات شاہ اس کے لیے بہترین انتخاب ہو سکتے ہیں۔

ہماری معلومات کے مطابق علمی دنیا میں صرف ایک لبرل اسکالر ہیں جن کا موقف یہ ہے: ”کسی فرد یا ریاست کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی کو غیر مسلم قرار دے۔“ ان کا یہ موقف اجماع امت کے خلاف ہے، کیونکہ عہد رسالت مآب ﷺ کے بعد بھی اسلامی ریاست کا تسلسل قائم رہا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم ﷺ کے خلیفہ اول منتخب ہوئے۔ انہوں نے نبوت کے جھوٹے دعویداروں اور ان کے پیروکاروں کو مرتد قرار دے کر ان کے خلاف جہاد کیا اور ان کا قلع قمع کیا، یہ اس مسئلے پر نبوت و رسالت کے بعد مسلمانوں کے سب سے پاکیزہ نفوس یعنی صحابہ کرام کا اجماع کلی تھا، اس کے بارے میں کسی ایک صحابی سے بھی کوئی نکیر ثابت نہیں ہے۔“ نیز وہ مرزا غلام احمد قادیانی کی باطل خرافات کو شیخ اکبر محمد بن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شطیحات پر قیاس کر کے قابل معافی گردانتے ہیں۔ ان کے یہ نظریات امت مسلمہ کے اجماعی نظریات کے برعکس ہیں۔ بعض مذہبی جرائد میں ان کے نظریات پر نقد و نظر شائع ہوتا رہتا ہے۔

قادیانیوں سے مسلمانوں کا صرف یہ مطالبہ ہے کہ وہ دستور میں بیان کردہ اپنی حیثیت کو تسلیم کریں، خود کو غیر مسلم پاکستانی کے طور پر متعارف کرائیں، جب تک وہ اپنی اس حیثیت کو تسلیم نہیں کرتے، وہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور سے منحرف قرار پائیں گے۔ قادیانی عقیدے پر پیدا ہونے والے، پروان چڑھنے والے اور اس کا اقرار کرنے والے قادیانیوں کو دستور پاکستان کے مطابق شہری حقوق حاصل ہیں، لیکن انہیں مسلمانوں کے مذہبی شعائر، جس میں مسجد کا عنوان بھی شامل ہے، کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اسماعیلی حضرات اپنے مذہبی مرکز کو جماعت خانہ کہتے ہیں، اُن پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ روزے کا کوئی نہ کوئی مذہبی تصور غیر اسلامی مذاہب میں بھی شامل ہے، ان کی اپنی اصطلاحات ہیں۔

ڈائریکٹر جنرل آئی ایس پی آر جناب میجر جنرل آصف غفور نے یہ بیان دیا ہے کہ پاکستان کی مسلح افواج میں شمولیت اختیار کرنے والے ہر مسلمان سے اقرار ختم نبوت کا وثیقہ لیا جاتا ہے، البتہ غیر مسلم جوان اور افسران اس سے مستثنیٰ ہیں، اس حد تک یہ بات درست ہے۔ البتہ دستور پاکستان کے شیڈول سوم میں ریاست کے مختلف اعلیٰ مناصب پر فائز عہدیداروں کے حلف نامے کا متن درج ہے، اس کی رو سے صدر اور وزیر اعظم اسلامی جمہوریہ پاکستان کے حلف نامے میں اقرار ختم نبوت کے کلمات شامل ہیں، لہذا کوئی بھی غیر مسلم اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کے مطابق پاکستان کا صدر یا وزیر اعظم نہیں بن سکتا۔ اس کے علاوہ صوبائی گورنرز، وفاقی و صوبائی کابینہ کے ارکان، قومی اسمبلی، سینیٹ اور صوبائی اسمبلی کے ارکان، ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے جج صاحبان اور مسلح افواج کے سربراہان کے حلف ناموں میں اقرار ختم نبوت کے الفاظ شامل نہیں ہیں، جس کے لازمی معنی یہ ہیں کہ مطلوبہ پیشہ ورانہ اہلیت و قابلیت اور تجربے کا حامل کوئی بھی غیر مسلم پاکستانی ان عہدوں پر فائز ہو سکتا ہے۔ گزشتہ دنوں چیئرمین پیپلز پارٹی جناب بلاول بھٹو زرداری نے ہندوؤں کی ایک تقریب میں کہا تھا: ”میری خواہش ہے کہ غیر مسلم بھی پاکستان کے صدر اور وزیر اعظم بنیں۔“ ان کی یہ خواہش دستور پاکستان کے منافی ہے، کیونکہ آئین پاکستان میں درج صدر اور وزیر اعظم کے حلف نامے سے اقرار ختم نبوت کے میثاق کو حذف کیے بغیر ایسا نہیں ہو سکتا۔ پس ہمارے سیاستدانوں کو داد و تحسین اور نعرے بازی کے شوق میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کو تختہ مشق بنانے کی روش ترک کر دینی چاہیے، ورنہ لازماً تنقید بھی ہوگی اور احتجاج بھی ہوگا، کیونکہ: ”اس طرح تو ہوتا ہے، اس طرح کے کاموں میں۔“

(روزنامہ دنیا، 18 اکتوبر 2017ء)